راوی کی توثیق کے طریقے

آفتاب حسین جوادی*

کلیدی کلمات: توثیق خاصہ , توثیق عامہ، ثقہ، مشیخۃ، اجازت، تخریج، اصحاب اجماع۔

خلاصہ:

کسی راوی کی توثیق کی دو طرح سے کی جاتی ہے ،ایک کو توثیق خاصہ اور دوسری کو توثیق عامہ کہتے ہیں۔توثیق خاصہ یعنی : جب کسی معین شخص کے حق میں توثیق وارد ہو جیسا کہ کتب رجال میں ایک معین شخص کے بارے میں توثیق پائی جاتی ہے۔ یہ کئی طریقوں سے ثابت کی جاسکتی ہے۔پہلا طریقہ : نص معصومؑ ہے جس مراد بارہ ائمہ علیہم السلام میں سے کوئی امام کسی شخص پر نص فرمادے کہ فلان ثقۃ ہے۔دوسرا طریقہ، علمائے متقدمین میں سے کسی ایک کا توثیق کرنا ہے۔ تیسرا طریقہ، متاخر علماء میں سے کسی ایک کا راوی کے متعلق رائے دینا ہے۔توثیقات عامہ سے مراد بعنوان کلی توثیق ہے جو متعدد افراد کو شامل ہوتی ہے اور جو ایک خاص ضابطے اور معین عنوان کے تحت ایک جماعت کی توثیق ہے۔

اس کی بھی کئی صورتیں ہیں ،پہلی صورت : نبی ﷺ اور امامؑ کی صحبت۔کیا امامؑ کی طرف سے وکالت راوی کے ثقہ ہونے کی دلیل بن سکتی ہے۔ لیکن جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ آیا "اجازت" کی شیخوخت (بڑائی،بزرگی) ثقہ ہونے کی علامت ہے یا نہیں؟ تو اس کے جواب میں مقالہ نگار کی رائے یہ ہے کہ اجازت کی تین اقسام ہیں اور ان تینوں اقسام میں سے کسی قسم کی اجازت بھی راوی کی وثاقت کی دلیل نہیں بن سکتی۔ مقالہ نگار نے مقالہ کے آخر میں واضح کیا ہے کہ آیا کسی راوی سے دیگر راویوں کی کثرت تخریج، یا امام سے کثرت سے روایت کرنا یا اصحاب اجماع میں شامل ہونا، ایک راوی کی وثاقت کا موجب بن سکتا ہے یا نہیں۔

کسی راوی الحدیث کی توثیق کی دو طرح سے کی جاتی ہے ۔ایک کو توثیق خاصہ کہتے ہیں اور دوسری کو توثیق عامہ۔ذیل میں ان دونوں کی قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔

ا۔توثیق خاصہ

کسی معین شخص کے حق میں توثیق وارد ہو جیسا کہ کتب رجال میں ایک معین شخص کے بارے میں توثیق پائی جاتی ہے۔ یہ کئی طریقوں سے ثابت کی جاسکتی ہے۔

پہلا طریقہ: نص معصومؑ

بارہ ائمہ علیہم السلام میں سے کوئی امام کسی شخص پر نص فرمادے کہ فلان ثقۃ ہے اور اس طرح اس کی وثاقت ثابت ہونے کے طریقے بیان فرمادیں۔ مثال کے طور پر علامہ کشیؒ نے صحیح سند سے جناب علی بن مسیب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ میرا راستہ دور کا ہے میں، ہر وقت آپ کے پاس آ جا نہیں سکتا۔ تب میں اپنے دینی مسائل کس سے حاصل کروں؟ تو امام رضا علیہ السلام نے فرمایا : "من زکریا بن آدم القمی المامون علی الدین والدنیا"۔زکریا بن آدم قمی سے ، جو دین اور دنیا میں قابل اعتماد محفوظ شخص ہے۔(1) اسی طرح جناب ابان بن تغلبؒ ابو سعید کندی کوفی متوفی ۱۴۱ھ کی توثیق حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ثابت ہے، چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اجلس فی مسجد المدینۃ وافت الناس فانی احب ان یری فی شیعتی مثلك۔"

---

*۔ محقق واستاد حدیث جامعۃ الکوثر، اسلام آباد۔

یعنی: "مسجد مدینہ میں بیٹھو اور لوگوں کو شرعی مسائل بیان کیا کرو، میں پسند کرتا ہوں کہ میرے شیعوں میں تم جیسے (علماء) دیکھے جائیں۔" (2)

بالکل اسی سے ملتے جلتے حدیث کے الفاظ امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی مروی ہیں۔ علاوہ ازیں سلیم بن ابی حیہؒ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''أئت ابان بن تغلب فانه قد سمع منی حدیثا کثیرا فما روی لك فاروه عنی۔''

ابان بن تغلب کی خدمت میں جاؤ، انہوں نے مجھ سے زیادہ احادیث سماعت کی ہیں جو حدیث وہ تم سے بیان کریں اسے میرے نام سے روایت کرنا (3)

ابان بن تغلب کی وثاقت وصداقت کا اعتراف سنی علماء رجال نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال جلد اول، صفحہ ۵ طبع دار احیاء الکتب العربیہ مصر میں انہیں ''صدوق'' اور اپنی دوسری کتاب ''العبر فی خبر من غبر جلد اول ص ۱۹۲ بذیل ''سنة اوری واربعین وسائة'' مطبوعہ مطبعة حکومة الکویت، طبع اول ۱۹۶۰ء میں لکھا ہے:

''ابان بن تغلب الکوفی القاری المشهور وکان من ثقات الشیعة۔''

'' ابان بن تغلبؒ کوفی مشہور قاری (قرآن) اور شیعہ ثقات میں سے ہیں۔ ''

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی، ابن سعد صاحب الطبقات الکبری، حافظ ابن عدی اور ابن حبان نے بھی انہیں ''ثقہ'' کہا ہے۔ البتہ یہ امر نہایت ضروری ہے کہ توثیق صحیح سند یا صحیح شواہد سے ثابت ہو۔ اس پر دو امر مرتب ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ، اگر کوئی راوی کسی امام معصومؑ سے خود اپنی توثیق کے بارے میں روایت کر رہا ہو، اس سے استدلال ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ کسی راوی کی توثیق کا ثبوت اس کے اپنے الفاظ میں ہی واضح ''دور'' کو مستلزم ہے، حالانکہ امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ جب راوی خود ہی اپنی توثیق نقل کرنے والا ہو تو اس سے بد ظنی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ خود ہی اپنی خوبیاں اور فضائل اسلامی معاشرے میں بیان کرنے کا ذمہ دار ہے۔

دوسرا یہ کہ، ضعیف روایت سے بھی راوی کا ثقہ ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس بنا پر کہ جب روایت ہی قابل اعتماد نہیں ہے، تب اس سے راوی کی توثیق کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟

دوسرا طریقہ

توثیق متقدمین: متقدمین کے بڑے علماء میں سے کسی ایک کا توثیق کرنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قدماء میں سے بزرگ علماء میں سے کسی ایک نے راوی کو ثقہ کیا ہو۔ مثلاً علامہ برقیؒ، علامہ کشیؒ، ابن قولویہؒ، شیخ صدوقؒ، شیخ مفیدؒ، شیخ طوسیؒ، شیخ نجاشیؒ اور ان جیسے دیگر متقدمین بزرگ علماء، لیکن ان بزرگ متقدمین میں سے کسی ایک کی توثیق، اس ثقہ راوی کے قول کی احکام اور دیگر موضوعات میں حجیت پر مبنی ہے۔ اس طرح ثقہ راوی کا قول، احکام میں ہی قابل اعتماد ہوتا ہے، کسی دوسرے بارے میں قابل وثوق ہونا ضروری نہیں۔ اسی طرح موضوعات میں قابل وثوق ہے، اصولی ابحاث میں ثقہ راوی کی خبر کی حجیت احکام اور دیگر موضوعات دونوں کو شامل ہے، البتہ اگر کوئی دلیل شرعی دلالت کر رہی ہو تب دوسرے امور میں بھی حجیت ہوگی، جیسا کہ مرافقات (اپیلوں میں) جہاں شہادت کے بغیر فیصلہ نہیں کیا جاتا، وہاں جھگڑوں کو مٹانے کے لئے رویت ہلال وغیرہ بھی اسی میں شامل ہیں۔ اس سلسلے میں ایسی روایات بھی وارد ہوئی ہیں کہ جن سے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ ثقہ راوی کا قول موضوعات میں بھی حجت ہوتا ہے۔

حکم اور موضوع میں ثقہ راوی کے قول کی حجیت کے نظریہ کے تحت یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ متقدمین علماء کا کسی راوی کے ثقہ اور نیک ہونے کی خبر دینا شاہد فراست، اجتہاد اور سوچ کو کام میں لانے کے نتیجے میں ہو۔ چنانچہ ثقہ راوی کی خبر کی حجیت کے دلائل اس کو شامل نہیں ہوتے اس لئے کہ یہ تو صرف ''حس'' سے خبر دینے کو شامل ہوتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جب کوئی ثقہ شخص ''حسی

" طور پر خبر پر خبر دے تو وہ خاص اسی محسوس امر کے بارے میں ہوتا ہے، جبکہ فراست کی بنیاد پر کی گئی بات ایسی نہیں ہوتی۔ حالانکہ توثیق اور جرح میں علماء رجال کا دار ومدار حسی امور پر تھا نہ کہ عقلی امور پر اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ نجاشیؒ بعض اوقات دوسرے علماء کے اقوال کا حوالہ دیتے ہیں اور اسی طرح کے دیگر مواقع پر بھی ان کا معمول یہی ہے۔ جو چیز واضح کرتی ہے کہ "متقدمین علماء توثیق وتضعیف میں حسی امور پر اعتماد کرتے تھے نہ کہ عقلی امور پر" وہ شیخ طوسیؒ کا کتاب "عدۃ الاصول" کے آخری فصل میں یہ قول ہے جو انہوں نے خبر واحد کی حجیت کے بیان میں لکھا ہے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں:

"انا وجدنا الطائفة میّزت الرجال الناقلة لهذه الاخبار ووثّقت الثقات منهم وضعّفت الضعفاء وفرّقوا بين من يعتمد علی حديثه وروايته ومن لايعتمد علی خبره ومدّحوا الممدوح منهم وذمّوا المذموم وقالوا فلان منهم فی حديثه وفلان كذاب وفلان مخلّط و۔۔۔ وغيرذلك من الطّعُون التی ذكُروها وصنّفوا فی ذلك الكتب واستثنو الرجال من جملة ما رووه من التصانيف فی فهارستهم حتی ان واحداً منهم اذا انك حديثا نظرفی اسناده وضعفه بروايته هذه عادتهم علی قديم الوقت وحديثه لاتنحزم۔"

یعنی: "ہم نے علماء کو دیکھا ہے کہ انہوں نے ان روایات کے ناقلین کو ممیّز کیا ہے ان میں سے ثقات کی توثیق کی ہے اور ضعفاء کی تضعیف کی ہے، جن کی حدیث اور روایت پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور جن کی حدیث اور روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ان میں فرق کیا ہے جو قابل مدح ہے اس کی مدح کی ہے اور جو قابل مذمت ہے اس کی مذمت کی ہے اسی دوران میں انہوں نے کہا کہ فلاں اپنی حدیث میں متہم ہے، فلاں کذاب ہے، فلاں مخلّط ہے، فلاں مذہب واعتقاد میں مخالف ہے، فلاں واقفی ہے، فلاں فطحی ہے۔ اسی طرح کے دیگر طعن ہیں جو ان علماء نے ذکر کئے ہیں اس فن میں کتابیں تصنیف کی ہیں ان کی فہارس میں جتنی بھی تصانیف ہیں ان میں بہت سے رجال کو مستثنیٰ کیا ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے کسی نے جب کسی حدیث کو عجیب وغریب پایا تو اس کی اسناد میں دیکھا اور اس روایت کو اس کے راویوں کی بنیاد پر ضعیف قرار دیا۔ قدیم زمانے سے لے کر آج تک ان کا یہی معمول اور عادت ہے جو نہ ختم ہونے والی ہے۔ (4)

تصریحات بالا سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ راوی کی توثیق وتضعیف اور مدح وقدح ان امور میں سے ہیں جو علماء رجال میں رائج وشائع اور معروف رہی ہیں اور وہ اس فن میں اپنی لکھی گئی کتب میں باقاعدہ طور پر رائے ظاہر کیا کرتے تھے۔"

تیسرا طریقہ؛توثیق متأخرین:

متأخر علماء میں سے کسی ایک کا راوی کے متعلق رائے زنی کرنا۔ اس سے مراد وہ علماء رجال جو راویوں کے ہم عصر نہ ہوں اور نہ ہی ان کے قریب العہد ہوں۔ مثال کے طور پر سید ابن طاؤوس، ابن شہر آشوب، شیخ تقی مجلسی اور علامہ باقر مجلسی رحمہم اللہ تعالیٰ علماء کے وہ اقوال جس سے راوی کا قابل اعتماد ہونا یا اس کے احوال کی خوبی ظاہر ہوتی ہو۔ وہ علماء متأخرین میں سے کسی کا شیخ طوسی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرکے رائے کا اظہار کرنا ہے، البتہ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم تو "حِس" ہے اور دوسری قسم "عقل" جو شیخ منتخب الدین رحمہ اللہ متوفی ۵۸۵ھ، ابن شہر آشوب رحمہ اللہ، متوفی ۵۷۷ھ صاحب "معالم العلماء" اور ان کے علاوہ دیگر علماء کی توثیقات میں مذکور ہے۔ یہ علماء کرام راویوں کے زمانے اور ان سے پہلے زمانے میں کتب رجال کی دستیابی کے زمانے سے قریب ہونے کی بناء پر توثیق اور تضعیف میں سماع یا معروف کتاب میں توثیق یا تضعیف پائے جانے یا کثرت نقل اور شہرت پر اعتماد کرتے تھے۔ ان سے کمتر اعتماد کے لحاظ سے وہ آراء جو علامہ ابن داؤد حلی رحمہ اللہ نے اپنی "رجال" کی کتاب میں نقل کی ہیں۔ اسی طرح علامہ حلی رحمہ اللہ نے "خلاصۃ الاقوال" میں بعض علماء رجال کے اقوال درج کئے ہیں۔

دوسری قسم وہ توثیقات ہیں جو ان سے متأخرین علماء کی کتب میں وارد ہوئی ہیں مثلاً مرزا استر آبادی، سید مصطفیٰ تفریشی اردبیلی، قہپائی، مجلسی، محقق بہبانی رحمھم اللہ تعالیٰ اور اس صنف کے دیگر علماء کی توثیقات عقلی واجتہادی بنیادوں پر ہیں۔ جیسا کہ ان کی کتب سے واضح ہو رہا ہے۔ اگر ہم

یہ کہیں کہ کسی ماہر رجال کے قول کی حجیت شہادت کے زمرے میں آتی ہے تو تب متاخرین کی توثیقات معتبر نہیں ہیں۔اس لئے کہیں کہ ان کی راویوں کے بارے میں آراء اجتہاد اور عقل کی بنیاد پر ہیں اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ گواہی کی قبولیت میں اس امر کو مد نظر رکھا جاتا ہے کہ وہ ''حس '' کی طرف منسوب ہو نہ کہ ظن و تخمین کی طرف۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ شہادت کے باب میں یہ حدیث وارد ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد نے فرمایا:

''لا تشهدنّ بشهادة حتى تعرفها كما تعرف كفك''۔

یعنی: "تم ہر گز کوئی گواہی نہ دو حتی کہ اس امر کو اس طرح پہچان لو جس طرح اپنی ہتھیلی کو پہچانتے ہو۔"

متاخرین کی توثیقات کی طرف رجوع کی تصحیح:

جب یہ معلوم ہو گیا کہ کسی ماہر رجال کے قول کی طرف رجوع گواہی کے باب سے تعلق رکھتا ہے تو پھر متاخرین کی توثیقات کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ گواہی کے صحیح اور نافذ ہونے میں اس کا حس کی طرف منسوب ہونا شرط ہے، جبکہ یہ شرط ان کی توثیقات میں نہیں پائی جاتی۔ البتہ دو طرح سے ان کی توثیقات کی طرف رجوع کو درست قرار دیا جا سکتا ہے۔

اولاً: کسی رجالی کے قول کی طرف رجوع ماہرین فن کی جانب رجوع کی اقسام میں سے شمار کیا جا سکتا ہو۔ ماہرین فن کے اقوال پر اعتماد میں یہ شرط نہیں کہ ان کی رائے محسوس ٹھوس بنیادوں پر ہے۔ کسی ماہر فن کا قول حجت ہوتا ہے خواہ حسی امور کی طرف منسوب ہو، جو بیشتر ہوتا ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ معالج کا قول مریض کے حق میں حجت ہوتا ہے، اگر ڈاکٹر، مریض کو حکم دے کہ پانی استعمال نہیں کرنا تو شرعی نقطہ نظر سے مریض وضو کے وقت پانی استعمال نہیں کر سکتا، بجائے پانے کے تیمّم واجب ہوگا یا ڈاکٹر یہ کہے کہ روزہ مریض کی صحت کے لئے مضر ہے، تو اس روزہ دار پر افطار واجب ہے۔اسی قسم میں سے اموال میں نقصان ہونے کا اندازہ لگانا بھی ہے۔

فوجداری جرائم بھی اسی قسم سے ہیں ان کی حدبندی کرنا بھی ماہرین فن کے سپرد ہو گی ہے۔ حالانکہ ان کی رائے محسوس دلائل پر مبنی نہیں ہوتی۔ چنانچہ رجال کا علم رکھنے والا ماہر شخص راویوں کی معرفت میں توثیق اور تضعیف کے لحاظ سے ماہر فن ہوتا ہے اگرچہ اس کی رائے ایسے قرائن اور شواہد پر مبنی ہو جو اپنے مقام پر اطمینان و تسلی کا فائدہ دیتے ہیں۔ یہ وجہ ان لوگوں کو فائدہ دیتی ہے جو ماہرین رجال کی رائے کی حجیت کے اس لحاظ سے قائل ہیں کہ وہ ماہرین فن ہیں ،ثانیا یہ کہ ایسی خبر کی حجیت جس کے صادر ہونے پر یقین ہو۔ خبر واحد کی حجیت پر واحد دلیل حضرات معصومین علیہم السلام کے زمانے میں عقلاء کا خبر واحد پر عمل سے راضی رہنا ہی اُن کا مسلسل طریقہ کار یہ رہا ہے، لیکن اصل کلام، حجیت کے موضوع میں ہے اس میں دو آراء ہیں۔

الف: دراصل ثقہ راوی کی ہی روایت قابل قبول ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہ ثقہ ہے اگرچہ روایت کے صادر ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔ اگر موضوع یہ ہو تب مقدمہ صغریٰ کے اثبات کے لئے متاخرین کی توثیقات کی طرف رجوع فائدہ نہیں دیتا ہے کہ مخبر ثقہ ہے، اس لئے کہ گواہی کے وقت انہوں نے حسی امور پر اعتماد نہیں کیا۔

ب: یہ کہ حجیت کے لئے موضوع وہ خبر ہے کہ جس کے صادر ہونے کا یقین ہے خواہ راوی ثقہ ہو یا نہ ہو۔ نیز یہ کہ عمل ثقہ کی خبر پر ہے، اس لئے کہ یہ روایت (خبر) کے صادر ہونے کا فائدہ دیتی ہے اگر حجیت کا تمام سرمایہ اتنا ہو، تب ان متاخرین علماء کی توثیقات کی طرف رجوع کرنا جو جرح اور تعدیل میں قرائن امارات پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس خبر کے صادر ہونے کا یقین دلاتی ہوں۔ پس ان کے اقوال اور کلام کی طرف رجوع غیر مفید عمل نہیں ہوگا۔

روایت کے صادر ہونے پر یقین کے طریقے

جس طرح متاخرین کی توثیقات کسی روایت کے صادر ہونے کے بارے میں علم حاصل ہونے کے طریقوں میں سے ہے، لیکن اس سلسلے میں کچھ دیگر امور بھی ہیں کہ جن کا براہ راست خیال رکھنا، استنباط کرنے والوں پر واجب ہے۔ کیونکہ یہ ان امور میں سے ہیں کہ جن کے ذریعے روایت پر اعتماد یا عدم اعتماد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

الف: یہ کہ راوی کا طبقہ، اس کا زمانہ، اس کے اساتذہ اور اس کے شاگردوں کو پہچانے تاکہ راویوں کے مشترک ناموں کی تمیز حاصل کرے اور اُنہیں ایک دوسرے سے الگ کرے۔

ب: یہ ہے کہ راوی کی روایات پر اطلاع کے ساتھ ساتھ روایت کے نقل میں ضبط واتقان کے درجے اور مقام کو پہچانے۔

ج: یہ کہ کثرت اور قلّت کے لحاظ سے راوی کی روایات کی تعداد کو پہنچانے۔ اس لئے کہ اس کی پہچان نقل حدیث میں راوی کی قدر و منزلت کو متعین کرتی ہے۔

د: راوی کے علم و فضل کی مقدار کو پہچانے۔

مندرجہ بالا چار امور صغریٰ کو یقینی بنادیتے ہیں کہ خبر (روایت) یقیناً صادر ہوئی ہے اس سلسلے میں کتب رجال کی طرف رجوع اس مقصد کو حاصل کرنے کا امکانی ذریعہ بن سکتا ہے۔

توثیقات عامہ

توثیقات عامہ سے مراد بعنوان کلی توثیق ہے جو متعدد افراد کو شامل ہوتی ہے اور جو ایک خاص ضابطے اور معین عنوان کے تحت ایک جماعت کی توثیق ہے۔ یہ توثیق کئی طرح کی ہوتی ہے۔

پہلی صورت: نبی ﷺ اور امامؑ کی صحبت

نبی اکرم ﷺ کے صحابہؓ کی عدالت اور ہر برائی سے پاکیزگی، ان اصولوں میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ اہل سنت میں سے اہل حدیث اور اشاعرہ اپنا عقیدہ بنائے ہوئے ہیں۔ یہ عقیدہ ان میں اس حد تک رائج ہوا کہ ابوالحسن اشعری متوفی ۳۲۴ھ نے اسے اصول میں سے ایک اصل قرار دیا ہے جن پر تمام اہل سنت کے مذہب کی بنیاد ہے، لیکن تمام صحابہ کی عدالت کا ضابطہ ثابت کرنا نہایت دشوار ہے اس لئے کہ قرآن حکیم میں صحابہ کی دو قسمیں مذکور ہیں: ایک صنف وہ ہے جس کی قرآن مجید مدح کرتا ہے اور ان کے اوصاف مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت بیان کرتا ہے:

۱۔ ''وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ'' (سورہ توبہ آیت ۱۰۰)

۲۔ ''لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ'' (سورہ فتح آیت ۱۸)

۳۔ ''لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ'' (سورہ حشر آیت ۸)

۴۔ ''اصحاب الفتح'' (سورہ فتح آیت ۲۹)

ایک دوسری صنف وہ ہے جن کی قرآن مجید میں مذمت آئی ہے اور مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت ان کے مذموم بیان ہوئے۔

۱۔ کھلے منافق (سورہ منافقون آیت ۱)

۲۔ چھپے ہوئے منافق (سورہ توبہ آیت ۱۰۱)

۳۔ دلوں کے مریض (سورہ احزاب آیت ۱۲)

۴۔ منافقین کے لئے جاسوسی کرنے والے (سورہ توبہ آیت ۴۷)

۵۔ ارتداد کی جانب میلان رکھنے والے (سورہ آل عمران آیت ۱۵۴)

۶۔ فاسق (سورہ حجرات آیت ۶)

۷۔ ایسے مسلمان جو مومنین نہ تھے (سورہ حجرات آیت ۱۴)

۸۔ مؤلفۃ القلوب (سورہ توبہ آیت ۶۰)

۹۔ کفار سے مقابلے کے وقت پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے (سورہ انفال آیت ۱۶)

جب رسول ﷺ کے صحابہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق دو قسم کے ہیں تو ہمارے لئے کیسے ممکن ہے کہ ہم سب کو عادل شمار کریں؟ جب ہم سنت کی طرف رجوع کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ ان کی پہچان اس طرح کراتے ہیں جیسا کہ بخاری و مسلم نے صحیح سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "میرے اصحاب میں سے ایک جماعت قیامت کے دن میرے پاس آئے گی لیکن وہ حوض (کوثر) سے روک دیئے جائیں گے، میں کہوں گا کہ اے میرے رب یہ میرے اصحاب ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے آپ کو معلوم نہیں ہے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا "افھم لم یزالوا ارتدین علیٰ عقابھم" یہ الٹے پھر کر ہمیشہ کے لئے مرتد گئے۔" (5)

اس کے علاوہ بھی احادیث ہیں کہ جو واضح الفاظ میں بتاتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات حسرت آیات کے بعد صحابہ کی ایک جماعت مرتد ہو گئی تھی۔ پس صحابی وہ ہے جس نے نور دیکھا اور نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں اور آپ کی وفات کے بعد ان صحابہ کے حالات وواقعات کی تلاش کریں تاکہ ان میں سے کسی کا قابل اعتماد ہونا ثابت ہوا تو ہم اس کی روایت لیں گے ورنہ اس کا حال تابعین اور تبع تابعین کی مانند ہوگا، جس کا ثقہ ہونا ثابت نہ ہوا، اس کی روایت و قول پر اعتماد نہ کیا جائے گا۔

یہی اصول، ائمہ معصومین علیہم السلام کے صحابہ کے بارے میں بھی لاگو ہوگا۔ محض صحبت، مصاحب کے قابل اعتماد ہونے کو لازم نہیں کرتی۔ قرآن مجید میں بڑے واضح الفاظ میں موجود ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی مصاحبت ان دونوں کے حال کے لئے نفع بخش نہ ہوئی اور انہیں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں مخاطب کیا: "قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخلين" کہا گیا کہ داخل ہو جاؤ دونوں دوزخ میں، داخل ہونے والوں کے ساتھ۔ (6)

وکالت عن الامامؑ

امام علیہ السلام کی طرف سے وکالت کیا راوی کے ثقہ ہونے کی دلیل بن سکتی ہے تو اس سلسلے میں اس امر پر اصول کافی کی حسب ذیل روایت سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ شیخ کلینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علی بن محمد، حسن بن عبدالحمید سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا:

"شَكَكْتُ فِي اَمْرِ حَاجِزٍ فَجَمَعْتُ شَيْئًا ثم صِرْتُ اِلَى الْعَسَكَرِ فَخَرَجَ اِلَيَّ: لَيْسَ فِيْنَا شَكٌّ، وَلَا فِيْمَنْ يَقُوْمُ مَقَامَنَا بِاَمْرِنَا رُدَّ مَا مَعَكَ اِلَى حَاجِزِ بْنِ يزيد۔"

یعنی: "میں نے حاجز کے بارے میں شک کیا، میں نے کچھ سامان جمع کیا، پھر میں عسکر پہنچا، امام علیہ السلام میری طرف تشریف لائے اور فرمایا ہم میں کوئی شک نہیں، نہ اس شخص میں جو ہمارا قائم مقام ہو، ہمارے حکم سے، جو کچھ تیرے پاس ہے وہ واپس حاجز بن یزید کے پاس لے جاؤ۔" (7)

جن نکات کے ذریعے اس روایت کے ساتھ استدلال کیا جاسکتا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

اولاً: روایت مدعا سے زیادہ خاص ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ مراد وہ معروف وکلاء ہیں جو ائمہ علیہم السلام کے حکم سے اُن کے قائم مقام تھے، یہ وکالت اس سے علیحدہ ہے کہ کوئی شخص امام کا اُن کے سامان جائیداد یا کسی اور معاملے میں وکیل ہو۔

ثانیاً: وکالت کو کس طرح علی الاطلاق توثیق کے اسباب میں سے شمار کیا جاسکتا ہے، باوجویکہ بعض وکلاء مثلاً علی بن حمزہ بطائنی: زیاد بن مروان القندی، عثمان بن عیسی رؤاسی نے دنیا کی طمع کی اور اس کے مال و متاع کی جانب مائل ہوئے اور بہت سے دیگر لوگوں کو بھی مائل کیا، اور جن اموال میں خیانت کی تھی، اس میں سے ان پر بھی خرچ کیا، ابن ابی حمزہ کے پاس تیس ہزار دنیار تھے، زیاد قندی کے پاس ستر ہزار دنیار تھے۔ ہاں! جب کوئی شخص کئی سال تک امامؑ کی طرف سے وکیل ہو، اور اس کی مذمت بھی وارد نہ ہوئی ہو، ممکن ہے کہ یہ وکالت اس کے ثقہ ہونے اور ثابت قدمی کا قرینہ ہو، اس لئے کہ یہ بعید ہے کہ کوئی جھوٹا شخص امامؑ کی طرف سے کئی سال تک وکیل رہے، اور اس کا جھوٹ امام پر ظاہر نہ ہو اور وہ اُسے معزول نہ کریں۔

اجازت کی شیخوخت

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ کیا "اجازت" کی شیخوخت (بڑائی، بزرگی) ثقہ ہونے کی علامت ہے؟ مشائخِ اجازہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے شاگردوں کو اپنی کتابوں سے روایت کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اسی طرح دوسروں کی کتب کو اُن کے طریقے سے روایت کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ کیا کسی ثقہ شخص کا اُن میں سے کسی ایک سے اجازۂ روایت طلب کرنا، اجازت دینے والے کے ثقہ ہونے کی نشانی ہے یا نہیں؟ مثلاً شیخ صدوقؒ اور شیخ طوسیؒ، ائمہؑ کے ادوار میں بہت سے مصنفات اور اصول سے روایت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے مشائخ سے ان کتب کی اجازت لی ہوئی تھی۔ تو کیا ان دو بڑے علماء کا اجازت لینا یا ان کے علاوہ اور علماء کا اجازت لینا ان مشائخ سے، ان مشائخ اور اصحاب کتب کی توثیق پر مطلقاً دلیل بن سکتا ہے؟ یا اجازت لینے والے کے نزدیک بالخصوص، وہ ثقہ ثابت ہوں گے؟ یا ان میں سے کسی چیز پر دلیل نہیں بن سکتا؟

اس مقام پر کلام اس امر پر مبنی ہے کہ کسی ثقہ شخص کا کسی دوسرے شخص سے روایت کرنا، جس سے روایت کی گئی ہو، راوی کے نزدیک اس کے ثقہ ہونے کی دلیل شمار نہیں ہوگا۔ اور اگر ہم اسی بنیاد پر ثقہ شخص کا اجازت لینا اس کی اپنی روایت کی طرح، اجازت دینے والے اور جس سے روایت کی گئی ہے، دونوں کے ثقہ ہونے کی حسب ذیل دو صورتیں ہیں:

اجازت طلب کرنے کی صورتیں

اجازت طلب کرنے کی کئی صورتیں ہیں:

۱۔ شیخ کی طرف سے اپنی کتاب کی اجازت

جب اجازت دینے والے نے اپنی کتاب کی، ان کو اپنی طرف سے روایت کرنے کی اجازت دی ہو، تب ثقہ شخص کی طرف سے اجازت طلب کرنا، اجازت دینے والے کے ثقہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی، بلکہ اس پر بھی وہی شرائط لاگو ہوں گی، جو تمام راویوں سے متعلق وثاقت اور ضبط کی شرائط لاگو ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ کسی ثقہ شخص کا کسی سے اجازت طلب کرنا، خود اس سے روایت کرنے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ جس طرح ثقہ کا روایت کرنا مروی عنہ کے ثقہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اسی طرح اجازت طلب کرنا بھی مروی عنہ کے ثقہ ہونے پر دلالت نہیں کرے گا۔

۲۔ کتاب روایت کرنے کی اجازت، جس کتاب کا انتساب اپنے مؤلف کی طرف ثابت ہو

جب اجازت دینے والے شیخ نے اجازت دی ہو، ایسی کتاب کی روایت کی جو کسی دوسرے کی تالیف ہو اور اس کتاب کی نسبت اس کے مصنف کی طرف مشہور اور ثابت ہو اور اجازت لینے کا مقصد محض اتصال سند، حکایت کی صحت، یہ کہنے کا امکان وجواز "حدثنا" حتیٰ کہ سند امامؑ تک پہنچ جائے، جس میں یہ علم حاصل کرنا بھی مقصد نہ ہو کہ کتاب کی نسبت اس مصنف سے ہے، اس لئے کہ اس کتاب کی نسبت کے بارے میں پہلے ہی فرض کرلیا گیا ہے کہ وہ اس کے اصل مصنف کی طرف ہے جو روز روشن کی طرح واضح ہے۔

یہ اس طرح کی اجازت ہے جو مشائخ اکابر اپنے شاگردوں کو دیتے ہیں کہ اُن سے روایت کر لیں۔ محمدون ثلاثہ (مصنفین کتب اربعہ) کی کتب کو ان کی طرف سے، اس لئے کہ مقصد، کتاب کی اس کے مصنف کی طرف نسبت کا علم حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ لفظ ''حَدَّثَنا'' کے ساتھ اتصال سند اور نقل حدیث کا امکان ہوتا ہے، حتیٰ کہ وہ سند معصوم تک منتہی ہو، اس طرح کی اجازت، طلبی اجازت دینے والے کے ثقہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

ظاہر ہے کہ ''من لایحضرہ الفقیہ'' میں شیخ صدوقؒ کے مشائخ اسی قسم سے ہیں، اس لئے کہ صدوقؒ نے سند کا ابتدائی حصہ حذف کر دیا ہے اور سند کی ابتداء اس شخص کے نام سے کی ہے، جس کی اصل یا کتاب سے انہوں نے حدیث لی ہے حتیٰ کہ سند امام تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر کتاب کے آخر میں ''مشیخۃ'' وضع کیا ہے۔ جس میں اپنے اس طریقے کا ذکر کیا ہے کہ جس کی کتاب سے حدیث اخذ کی ہے۔ ''من لایحضرہ الفقیہ'' کے مقدمے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کتب جن سے حدیث لی گئی ہے۔ وہ مشہور کتب ہیں، جن پر عمل کیا جاتا تھا اور وہی کتب مرجع الخلائق تھیں۔ جو کچھ انہوں نے ''مشیخت'' میں ذکر کیا ہے وہ اتصال سند کے حصول کے لئے کیا ہے نہ کہ اس کتاب کی اس کے مؤلف کی طرف نسبت کی تصحیح کے لئے۔ اس لحاظ سے شیخ صدوق کا اجازت طلب کرنا ان مشائخ کی توثیق پر دلالت نہیں کرتا، جن کے نام انہوں نے ''مشیخۃ'' میں ذکر کئے ہیں۔

۳۔جب کسی شخص نے کسی کتاب کی روایت کی اجازت دی تو اس کی نسبت اس کے مؤلف (اجازت لینے والے) کے لئے ثابت نہیں ہو گی۔

جب کسی کتاب کی روایت کرنے کی اجازت دی تو اس کی نسبت اس کے مؤلف کی جانب ثابت نہیں ہو گی، مگر اجازت دینے والے شیخ کے واسطے سے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اجازت دینے والے شیخ کی توثیق اجازت لینے والے کے نزدیک شرط ہے، اگر ثقہ ہونا شرط نہ ہو تو اس کتاب کی نسبت اس مؤلف کی جانب ثابت ہی نہ ہو سکے، اس توثیق کے سوا کتاب اور جو سند اس کتاب میں ہے، اس کا متن ثابت نہیں ہو سکتے، اور یہ اجازت دینا ایک لغو امر قرار پائے گا۔

خلاصہ یہ کہ ان کتب کے مؤلفین تک سند کا ذکر کرنے سے اس اجازت لینے اور مدد طلب کرنے کی قسم کا بلند ترین ہدف، ان کتب کا ان کے مؤلفین اور مصنفین کی جانب ان کی نسبت ثابت کرنا ہے۔ یہ ہدف اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک اجازت دینے والے شیوخ یکے بعد دیگرے ثقات نہ ہوں، ان کی بات پر اعتماد کیا جاتا ہو، اگر اجازت لینے والے کے نزدیک شیخ (مجیز) ثقہ نہ ہو تو اس تک سند متصل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

کیا ثقہ راویوں کی کسی شخص سے کثرت تخریج، ثقہ ہونے کی علامت ہے؟

جب بہت سے ثقہ راویوں نے ایک شخص سے روایت لی ہو، کیا یہ نوع تخریج، اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جس سے روایت کی گئی ہے وہ شخص ثقہ ہے؟ اس سے پہلے کہ مختار قول کی جانب اشارہ کریں، ہم دو امور پر روشنی ڈالتے ہیں:

اولاً: محض ثقہ شخص کا کسی سے روایت لینا مروی عنہ کی توثیق پر دلالت نہیں کرتا، اس لئے کہ ثقات کی طرف سے غیر ثقات سے روایت لینا عام معمول ہے۔ اس لئے کہ نقل کرنے کا مقصد حجت قائم کرنا اور عمل کرنا ہی نہیں ہوتا، کہ یہ کہا جائے: غیر ثقہ سے احتجاج ہی نہیں کیا جا سکتا تو انہوں نے غیر ثقات سے کیوں روایات نقل کیں، بلکہ بعض اوقات یہ غرض بھی ہوتی ہے کہ تمام احادیث جمع کر دی جائیں، جن کا مضمون ایک ہو، اس میں ضعیف راوی سے بھی روایت لی جا سکتی ہے، اسی سبب سے ثقات ضعیف راویوں سے بھی روایت لیتے تھے۔

ثانیاً: پہلے وقتوں میں مشائخ حدیث کے نزدیک ضعیف راویوں سے کثرت سے نقل کرنا قابل اعتراض سمجھا جاتا تھا، اور یہ عمل ثقہ راویوں پر طعن کے اسباب میں سے شمار کیا جاتا تھا، اسی لئے قمی علماء کے قائد احمد بن محمد بن عیسیٰ (متوفی در حدود ۲۸۰ھ) نے اپنے معاصر احمد بن محمد بن خالد البرقی (متوفی ۲۷۴ھ) کو قم سے جلاوطن کر دیا تھا، اس لئے کہ وہ ضعفاء سے کثرت کے ساتھ روایت نقل کرتے تھے۔

علامہ نے برقی کے حالات میں لکھا ہے کہ انہوں نے ضعفاء سے کثرت سے روایات لیں اور مراسیل پر اعتماد کیا۔ ابن الغفائری نے کہا ہے کہ قمیوں نے ان پر طعن کیا ہے، حالانکہ طعن کا سبب اس میں نہیں ہے، درحقیقت طعن ان میں ہے جن سے وہ روایت کرتے تھے۔ وہ یہ پرواہ نہیں کرتا تھا کہ اخباری طریقے سے کس سے اخذ کررہا ہے۔ احمد بن محمد بن عیسیٰ نے اسے قم سے نکال دیا تھا۔ پھر انہیں واپس آنے دیا اور ان سے معذرت کرلی۔ جب یہ دونوں امر واضح ہوگئے تو یہ بات ذہن نشین کرلیجئے

کہ ثقہ شخص کا غیر ثقہ سے نقل کرنا جب قلیل مقدار میں ہو تو امر اول میں داخل ہوتا ہے اور مروی عنہ کے ثقہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ ثقہ شخص کبھی کبھار غیر ثقہ سے بھی روایت کرتا ہے۔ لیکن جب وہ غیر ثقہ سے کثرت کے ساتھ نقل کرے، اگر مروی عنہ ضعیف ہو تو امر ثانی میں داخل ہوتا ہے اور راوی کے حق میں طعن شمار ہوتا ہے، اس بات کو تاریخ اس کے حق میں محفوظ کرلیتی ہے، لیکن جب وہ کثرت سے متضاد سے نقل کرے اور تاریخ نے اس طعن کا نشانہ نہیں بنایا، ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ مروی عنہ ثقہ ہے۔

اس کے ساتھ اس بات کا اضافہ کرلیں کہ اگر مروی عنہ ثقہ نہ ہو تو یہ نقلِ کثیر لغو امر قرار پائے گا۔ یہ امر قلّت نقل کے خلاف ہے، اس لئے کہ قلّت نقل میں (لغو قرار پانا) اس طرح نہیں ہوتا جیسا کہ آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ نقل کے بہت سے دیگر اہداف ہوتے ہیں، سوائے حجت سازی کے۔ اور وہ مضمون متحد ہونے والی ساری روایات اور نقول کو جمع کرنا ہوتا ہے، اگر کثرت سے ضعیف شخص سے نقل کیا جائے تو یہ فائدہ معدوم ہوجاتا ہے۔

معصومؑ سے کثرت کے ساتھ روایت

اس کا اعتبار کئے بغیر کہ نبی ﷺ سے یا امام علیہ السلام سے بکثرت روایت کرے، راوی کے ثقہ ہونے کے لئے دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ تاریخ حدیث میں کتنے ہی ضعیف راویوں نے نبی ﷺ کی جانب منسوب جھوٹی حدیثوں کو اپنی تجارت کا ذریعہ بنایا حتیٰ کہ نبی ﷺ کو اس کمینہ حرکت سے بیزاری کا اعلان کرنے کے لئے کھڑا ہونا پڑا۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا: مجھ پر بہت زیادہ جھوٹ باندھا جارہا ہے، جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

اس بیان کی روشنی میں یہ ممکن نہیں ہے کہ کثرت سے روایت عن المعصوم کو ثقہ ہونے کی دلیل شمار کیا جائے۔ البتہ ایسے راوی کے حالات معلوم کرنے کا طریقہ موجود ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب اس کی روایات کی ایک بڑی مقدار، ان روایات کے مضمون کے مطابق ہوں، جنہیں تمام راویوں نے روایت کیا ہے۔ تب ہم یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ یہ شخص ثقہ ہے، اسے حدیث اور اس کی نشر و اشاعت سے دلچسپی ہے، لہٰذا اس کی عام روایات سے احتجاج کیا جاسکتا ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام کے ثقات اصحاب

حضرت امام صادق علیہ السلام اس زمانے میں امت کی تعلیم و تربیت کے لئے کمربستہ ہوئے، جس میں آراء اور افکار مضطرب تھے اور اسی زمانے میں اُمویوں اور ان کے مخالفین کے مابین جنگ کی آگ بھڑک رہی تھی۔ چنانچہ ان دشوار اور سنگین حالات میں امام علیہ السلام نے فرصت کو غنیمت سمجھا اور اپنے جد امجد کی احادیث اور اپنے آباء کے علوم کو نشر کیا، جسے لے کر آپ کے اصحاب کرام ہر طرف پھیل گئے۔ نیز آپؑ کے ہاتھوں ہزاروں محدثین اور فقہاء نے تربیت حاصل کی۔ یہی وہ اعلیٰ ترین فضیلت ہے جو آپؑ سے پہلے اور بعد کسی بھی امام کے لئے میسر نہ ہوسکی۔

یہ شیخ مفیدؒ ہیں جو آپ کے مدرسے کو اپنے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: لوگوں نے امام صادق علیہ السلام سے اتنے علوم نقل کیئے، جنہیں لے کر اصحاب دور دراز تک پھیل گئے، آپؑ کا تذکرہ تمام شہروں اور بستیوں میں منتشر ہوگیا۔ آپؑ کے اہل بیتؑ میں سے کسی بھی اتنے علماء نے نقل نہیں کیا جتنا آپؑ سے نقل کیا گیا، نہ ہی اُن میں سے کسی کی اتنے اہل آثار اور اخبار نقل کرنے والوں سے ملاقات ہوئی، نہ اُن سے ان لوگوں

نے اتنی تعداد میں علوم نقل کیئے، جتنا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیئے۔ محدثین نے اپنی آراء اور مقالات میں اختلاف کے باوجود آپؑ سے روایت کرنے والے ثقہ راویوں کے نام جمع کیئے ہیں، جو چار ہزار اشخاص تک پہنچتے ہیں۔

اسی عبارت کے قریب قریب الفاظ علامہ ابن شہر آشوبؒ نے "مناقب "میں علامہ فتالؒ نے " روضۃ الواعظین " اور علامہ طبرسیؒ نے " اعلام الوریٰ " میں نقل کیئے ہیں۔ ان چار بڑے علمائے کرام نے امامؑ کے منتخب تلامیذ کو ثقات بتایا ہے۔ اگر ان کی پہچان کا کوئی طریقہ ہوتا تو ہم ان کی سب احادیث کو حجت و دلیل بناتے۔

دو امور کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کی شناسائی حاصل کرنا ممکن ہے

1) حافظ احمد بن محمد بن سعیدؒ جن کی کنیت ابو العباس المعروف ابن عقدہؒ (متوفی ۳۳۳ھ) ان لوگوں میں سے ہیں، جنہوں نے امام صادق علیہ السلام کے تمام اصحاب کو اپنی رجال کی کتابوں میں محفوظ کیا ہے اور نجاشی نے ان سے ان کے حالات نقل کیئے ہیں۔ جیسا کہ نجاشی نے ابن عقدہؒ کے ترجمہ میں کہا ہے، ان کی کتاب الرجال ہے، اس کتاب میں امام صادق علیہ السلام سے روایت کرنے والوں کا ذکر ہے۔ شیخ (طوسیؒ) نے بھی یہ الفاظ اپنی رجال کی کتاب میں نقل کیئے ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس حافظ کبیر ابن عقدہ کی کتاب رجال متاخرین تک نہیں پہنچی۔ اس کے باوجود دوسرے طریقے سے اس میں موجود معلومات سے واقفیت حاصل کی جاسکتی ہے، یہی وہ طریقہ ہے جسے ہم امر ثانی میں ذکر کرتے ہیں۔

2) ظاہر ہے کہ شیخ مفیدؒ کا کلام، ابن عقدہ کے جمع کردہ اصحاب امام صادق علیہ السلام کے اپنے اسماء الرجال کی، کتاب میں ناموں کا نگران ہے، شیخ طوسیؒ نے بھی ابن عقدہؒ کے رجال میں نہ کو بہت سے افراد کو رجال کی۔ کتاب میں شامل کیا ہے۔ پس اس کتاب (شیخ طوسیؒ کی رجال) کی طرف رجوع امام صادق علیہ السلام کے ثقات اصحاب کی شناخت کو ممکن بنا دیتا ہے، اس طریقے سے آج کے ثقات اصحاب میں سے ہزاروں کی واقفیت تلاش کرنے والا شخص حاصل کرسکتا ہے۔ لیکن چند امور کے باعث اس قسم کی توثیق پر اعتماد مشکل ہے:

اولاً: ہمارے علماء میں سے بعض متاخرین نے امام صادق علیہ السلام سے راویوں کی تعداد بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے جب کہ ان کا وصف ثقات بیان نہیں کیا۔

ثانیاً: اگر شیخ مفیدؒ کی اپنے اس کلام سے یہ مراد ہے کہ امام صادق علیہ السلام کے اصحاب چار ہزار تھے اور وہ سب کے سب ثقہ تھے، تو یہ بات اہل سنت کے اس مؤقف سے زیادہ مشابہ ہے کہ نبی ﷺ کے تمام اصحاب عدول تھے۔ اگر ان کی مراد یہ ہے کہ امام صادق علیہ السلام کے اصحاب کثیر تعداد میں تھے، مگر یہ کہ ان میں سے ثقات چار ہزار تھے، یہ ایسا امر ہے کہ اسے تسلیم کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ غیر مفید ہے اس لئے کہ ان میں سے ثقات کی شناخت اور دوسروں سے تمیز کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

ثالثاً: شیخ (طوسیؒ) نے اصحاب صادق علیہ السلام میں سے بہت سے اصحاب کو ضعیف کہا ہے ان سے مختص باب میں لکھا ہے: ابراہیم بن ابی حبہ ضعیف ہے، حارث بن عمر البصری ابو عمر ضعیف الحدیث ہے، عبدالرحمٰن بن ھلقام ضعیف ہے، عمرو بن جمیع البصری الاندی ضعیف الحدیث ہے۔ محمد بن حجاج مدنی منکر الحدیث ہے۔ محمد بن عبدالملک انصاری کوفی ضعیف ہے۔ محمد بن مقلاس اسدی کوفی ملعون، غالی ہے۔

اسی طرح کی دیگر عبادات ہیں جو اصحاب امام علیہ السلام کے بارے میں ہیں، تب کیسے ممکن ہے کہ یہ کہا جائے، شیخ طوسیؒ کے رجال میں جو کچھ آیا ہے بالکل وہی کچھ ہے جو شیخ مفیدؒ نے ذکر کیا ہے۔

رابعاً: شیخ مفیدؒ کی اس مقام مدح و ثناء میں وارد اس طرح کی عبارات سے جو متبادر ہے وہ یہ ہے کہ اصحاب امام علیہ السلام میں کثیر تعداد ثقات کی پائی جاتی تھی نہ یہ کہ ثقہ ہونے کا وصف بغیر استثناء کے اُن سب کو عام تھا۔ اس کی نظیر کسی شخص کا جامعہ کے طالب علموں کی ذہانت اور فطانت کے وصف کا بیان ہے، لیکن اس کے کلام سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاتا کہ بلا استثناء تمام طالب علم نہایت ذہین و فطین ہیں، بلکہ مراد غالب تعداد ہوتی

ہے۔ پھر شیخ کے اپنے کلام میں سے بھی اس بات پر روشنی پڑتی ہے۔ جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے: ''آراء اور اقوال میں ان کے اختلاف کے باوجود''۔

ان آراء اور اقوال سے مراد اعتقادی اور کلامی مسائل ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ ان سب کو بعض اصول میں، جیسے جبر و تفویض، صفات کے عین ہونے اور زیادہ ہونے ذات باری تعالیٰ سے متعلق، عصمت انبیاء، امام علی علیہ السلام کے محاربین اور علاوہ ازیں بہت سے دیگر مقالات میں اختلاف کے باوجود ثقات عدول شمار کیا جائیں۔

چنانچہ ان کے کلام کو اس غالب تعداد پر محمول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ جو تعداد آنکھوں کو روشن کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس بیان کی روشنی میں ہر اس شخص کی توثیق ثابت نہیں۔ جسے شیخ طوسیؒ یا نجاشیؒ نے اصحاب امام صادق علیہ السلام میں شمار کیا ہے۔

اصحاب اجماع

اصحاب اجماع سے متعلق بحث علم رجال کی اہم ابحاث میں سے ہے، محدث نوری نے اس جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ اس فن کی مہمات میں سے ہے، اس لئے کہ بعض تفاسیر کے مطابق بہت سی احادیث پر حجت کا حکم لگایا جاتا ہے اور بہت سے راویوں پر ثقہ ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں اصل وہ ہے جس کا ذکر ابو عمرو کشی نے اپنی رجال کی کتاب کے تین مقامات پر کیا ہے۔ ان کی عبارات نقل کئے بغیر چارہ نہیں تاکہ ہم ان کی تفسیر کی طرف لوٹیں۔ انہوں نے ایک باب اصحاب ابو جعفر اور ابو عبداللہ علیہما السلام میں سے فقہاء کے نام پر قائم کیا ہے۔ اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> بڑی جماعت (علماء) نے ابو جعفر اور ابو عبداللہ علیہ السلام کے اولین اصحاب کی تصدیق اور ان کی فقاہت کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا ہے: اولین لوگوں میں سے چھ سب سے بڑے فقیہ تھے۔ حضرت زرارہؓ، حضرت معروف بن خرّبوذ، حضرت برید، حضرت ابو بصیر اسدی، حضرت فضیل بن یسار، حضرت محمد بن مسلم طائفی، انہوں نے یہ کہا: ان چھ میں سے بھی بڑا فقیہ زرارہ تھے۔ بعض نے ابو بصیر اسدی کی جگہ ابو بصیر مرادی کہا ہے، جن کا نام لیث بن بختری ہے۔ (8)

بعد ازاں انہوں نے ''تسمیۃ الفقہاء من اصحاب ابی عبداللہ علیہما السلام'' کے نام سے ایک اور عنوان ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

> ان (فقہاء) سے جو مرویات صحیح ثابت ہو جائیں، ان علماء نے ان کی تصحیح پر اجماع کیا ہے، اور یہ راوی فقہاء جو کچھ کہتے ہیں، ان کی تصدیق پر اتفاق کیا ہے، اور ان کی فقاہت کا اقرار کیا ہے، یہ ان چھ رواۃ کے علاوہ ہیں کہ جن کو ہم نے شمار کیا ہے اور ان کے نام لئے ہیں۔ وہ چھ لوگ ہیں: جمیلؒ بن دراج، عبداللہؓ بن مسقال، عبداللہؓ بن بکیر، حمادؓ بن عثمان، حمادؓ بن عیسیٰ اور ابانؓ بن عثمان، ان علماء نے فرمایا ہے۔ ابو اسحاق فقیہ یعنی ثعلبہ بن میمون کے خیال میں، ان میں سے سب سے زیادہ فقیہ جمیلؒ بن دراج ہیں۔ یہ لوگ ابو عبداللہ علیہ السلام کے اصحاب میں سے، جوان سال اشخاص تھے۔ (9)

پھر انہوں نے تیسرے عنوان کے تحت، ابو ابراہیم اور ابو الحسن علیہما السلام کے اصحاب میں سے فقہاء کے اسماء ذکر کئے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''ان فقہاء سے جو روایات صحیح ثابت ہو جائیں، ان کی تصحیح اور تصدیق پر ہمارے اصحاب نے اجماع کیا ہے اور ان کے فقہی و علمی مرتبے کا اقرار کیا ہے اور یہ چھ افراد ہیں۔ سوائے ان افراد کے جن کا ذکر ہم اصحاب ابی عبداللہ علیہ السلام میں کر چکے ہیں۔ چھ افراد کے اسماء گرامی یہ ہیں: یونس بن عبدالرحمٰن، صفوان بن یحییٰ بیاع السابری، محمد بن ابی عمیر، عبداللہ بن مغیرہ، حسن بن محبوب، احمد بن محمد بن ابی نصر۔ بعض علماء نے حسن بن محبوب کی جگہ حسن بن علی بن فضال اور فضالہ بن ایوب کہا ہے، اور بعض نے فضالہ بن ایوب کی بجائے عثمان بن عیسیٰ کہا ہے۔ تاہم ان سب میں زیادہ فقیہ یونس بن عبدالراحمٰن اور صفوان بن یحییٰ ہیں۔

علامہ کشی کے کلام کی تفسیر کرنے سے پہلے ہم بعض اہم امور پیش کرتے ہیں۔

اس گروہ کو اصحاب الاجماع سے تعبیر کرنا، ایسا امر ہے جو متاخرین میں سامنے آیا ہے، اسے ان موضوعات میں سے ایک بنا دیا ہے، جس سے متعلق کتب رجال کے مقدمات یا آخر میں زیر بحث لایا جاتا ہے، لیکن علامہ کشیؒ نے ان فقہاء رواۃ کو ''تسمیۃ الفقہاء من اصحاب الباقرین علیہ السلام '' یا ''تسمیۃ الفقہاء من اصحاب الصادق علیہ السلام '' یا ''تسمیۃ الفقہاء من اصحاب الکاظم والرضا علیہم السلام '' کے عنوانات سے تعبیر کیا ہے۔

علامہ کشیؒ ان ائمہ علیہم السلام کے ان اصحاب کے اسماء گرامی جمع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، جن کی حیثیت نمایاں تھی۔ دوسروں کو چھوڑ کر ان کے اسماء ذکر کرنے سے مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ فقہی احادیث زیادہ تر ان کی طرف منسوب ہیں، گویا کہ فقہ شیعہ ان راویوں (فقہاء) سے ماخوذ ہے۔ اگر فقہاء اور ان کی روایت کردہ احادیث کو ثقہ کی بساط سے لپیٹ دیا جائے تو فقہ بے بنیاد اور بے سہارا رہ جاتی ہے۔

اصحاب اجماع کی تعداد

علامہ کشیؒ نے اصحاب صادقین علیہم السلام میں سے چھ اشخاص کو پہلے طبقے میں ذکر کیا ہے جو یہ ہیں:

1.	زرارہ بن اعین	2.	برید بن معاویہ	3.	معروف بن خرّبوذ
4.	ابو بصیر الاسدی	5.	الفضیل بن یسار	6.	محمد بن مسلم الطائفی

یہ ان لوگوں کے نام ہیں جو علامہ کشیؒ نے اختیار کئے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی نقل کیا ہے کہ بعض علماء نے ابو بصیر اسدی کی جگہ ابو بصیر مرُادی کا نام لیا ہے۔ علامہ کشی نے طبقہ ثانیہ میں ابو عبداللہ علیہ السلام کے اصحاب میں چھ جوان سال اصحاب کا ذکر کیا ہے جو یہ ہیں:

7.	جمیل بن دراج	8.	عبداللہ بن بکیر	9.	حماد بن عیسیٰ
10.	عبداللہ بن مسکان	11.	حماد بن عثمان	12.	ابان بن عثمان

یہ وہ لوگ ہیں جن پر سب نے اتفاق کیا ہے۔

اسی طرح علامہ کشی نے امام موسیٰ کاظم اور امام رضا علیہما السلام کے چھ اصحاب کو طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

1.	ایونس بن عبدالرحمٰن	2.	حسن بن محبوب	3.	صفوان بن یحییٰ بیاع السابری
4.	محمد بن ابی عمیر	5.	عبداللہ بن مغیرہ	6.	احمد بن محمد بن ابی نصر

اس طبقے کے پانچ فقہاء کے اسماء پھر کشی اور دیگر علماء میں اتفاق ہے، لیکن ایک پر اتفاق نہیں ہے۔ جب کہ انہوں نے کہا ہے: ان میں سے بعض نے حسن بن محبوب کی جگہ حسن بن علی فضال اور فضالہ بن ایوب کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بعض علماء نے فضالہ بن ایوب کی جگہ عثمان بن عیسیٰ کا نام لیا ہے، جبکہ تیسرے طبقے کے پانچ افراد پر علامہ کشی اور دیگر علماء میں اتفاق ہے، اس لحاظ سے کل سولہ اشخاص پر ان (علمائے رجال) کا اتفاق ہے۔ البتہ علامہ کشی دو اشخاص پر اجماع نقل کرنے میں منفرد ہیں، وہ دو یہ ہیں: پہلے طبقے میں سے ابو بصیر اسدی ہیں اور تیسرے طبقے میں سے حسن بن محبوب ہیں۔

اسی طرح دیگر علماء نے چار فقہاء پر اتفاق نقل کیا ہے، جن کے نام یہ ہیں: پہلے طبقے میں سے ابو بصیر مرادی، تیسرے طبقے میں سے حسن بن علی بن فضال، فضالہ بن ایوب اور عثمان بن عیسیٰ ہیں، اس طرح کل بائیس اشخاص بن جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن پر تمام علماء رجال متفق ہیں کہ وہ اصحاب اجماع ہیں، یا اُن کے بارے میں تنہا علامہ کشی کا قول ہے۔ یا ان کے علاوہ دیگر علما کا قول ہے۔ ان میں سے سولہ افراد پر تو یقینی اتفاق ہے اور جن کے ناموں پر اختلاف ہے وہ چھ اشخاص ہیں۔

علامہ سید بحر العلومؒ (۱۱۵۵ھ، ۱۲۱۲ھ) نے ان اشخاص کے نام اپنے منظوم کلام میں جمع کئے ہیں، جن کا ذکر علامہ کشی نے کیا ہے۔ لیکن ابو بصیر کے نام پر علامہ کشی نے اختلاف کی ہے، اس لئے کہ بحر العلوم نے اسے اسدی کے بجائے مرادی قرار دیا ہے۔ جیساکہ کہتے ہیں: سب کا اس پر اجماع ہے کہ جو روایات ان فقہا سے ثابت ہوں وہ صحیح ہیں۔ علامہ بحر العلومؒ کے منظوم کلام کا مفہوم کچھ یوں ہے:

آپ جان لیجئے یہ سب شریف اور بلند مرتبہ لوگ ہیں۔ ان کی تعداد چار۔ پانچ۔ نو۔ اٹھارہ ہے۔ پہلے چھ بڑے بزرگی والے ہیں اور ان میں سے چار مرکزی حثیت رکھتے ہیں۔ زرارہ، اسی طرح برید، پھر محمد اور لیس ہیں اے جوان۔ اسی طرح فضیل ہیں اور ان کے بعد معروف ہیں، یہی ہمارے جانے پہنچانے ہیں اور درمیانے چھ بڑے فضائل والے ہیں۔ تاہم ان کا رتبہ پہلوں سے ذرا کم ہے۔

جمیل خوبصورت ہے، ساتھ ابان ہے، دو عبداللہ ہیں پھر دو حماد ہیں۔ آخری چھ عنوان اور یونس علیہاالرضوان ہیں۔ پھر ابن محبوب ہیں، اسی طرح محمد ہیں۔ اسی طرح عبداللہ پھر احمد ہیں۔ جو ہم نے ذکر کیا ہے ہمارے نزدیک صحیح ترین ہے۔ جس نے اس بارے میں ہم سے اختلاف کیا ہے، اس کا قول شاذ ہے۔ بحر العلوم کا قول: "وماذکرناہ الاصح" اس اختلاف کی طرف اشارہ ہے، جسے علامہ کشی نے اپنی عبارت میں نقل کیا ہے جیساکہ کشی نے یہ اختیار کیا ہے کہ ابو بصیر اسدی ان میں سے ہے، جب کہ کشی کے علاوہ علماء نے ابو بصیر مرادی کو اِن میں شمار کیا ہے۔ سید بحر العلوم نے دوسرا قول پسند کیا ہے اور پہلے قول کو شاذ کہا ہے۔

حوالہ جات

1۔ علامہ کشی، رجال کشی ۴۸۷، ۴۹۶ طبع موسۃ الاعلمی للمطبوعات کربلا

2۔ علامہ نجاشی، رجال نجاشیؒ ص ۷، بمبئی، رجال الشیخ طوسیؒ، ص ۶۱ طبع نجف، معجم رجال الحدیث للخوئیؒ جلد ۱، ص ۲۳، طبع النجف

3۔ رجال نجاشی ص ۱۰، معجم الرجال، جلد ۱، ص ۲۰، ۲۳

4 ۔ شیخ طوسی، عدۃ الاصول، فصل نمبر ۱۰، فی ذکر الخبر الواحد واحکامہ" ص ۵۷، مطبوعہ ایران، ۱۳۱۴ھ

5۔ ابن اثیر جزری، جامع الاصول من احادیث الرسول، ج ۱۱، ص ۱۲۰، قاہرہ، مطبعۃ سنۃ المحمدیہ، ۱۹۵۰ء، صحیح بخاری ج ۱، ص ۴۷۳، ۴۹۰، "کتاب الانبیاء"، مطبع احمدی میرٹھ طبع اول ۱۲۸۲ھ

6۔ سورہ تحریم آیت ۱۰

7۔ کلینی، محمد بن یعقوب، اصول کافی ص ۳۳۹، ابواب التاریخ باب مولد صاحب الزمان علیہ السلام طبع نول کشور، لکھنو ۱۳۰۲ھ

8 ۔ علامہ کشی، رجال کشی، ص ۲۰۶، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات کربلا۔

9 ۔ ایضاً، ص ۳۲۲